علمائے ہند کی کلامی خدمات

از

(جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم-اے انسپکٹر مدارس عربیہ و رجسٹرار عربی و فارسی امتحانات اتر پردیش)

ہندوستان میں اسلامی ثقافت فتح سندھ کے بعد پہلی صدی ہی سے پھیلنے لگی تھی اور چھٹی صدی کے بعد تو [جب کہ غوری فاتحین اور اُن کی ہندوستانی جانشین دولتِ مملوکیہ نے ہندوستان میں ایک مستحکم حکومت قائم کی] مساجد و خوانق کی تعمیر اور مدارس کا قیام حکومتی استحکام کی شرطِ اولین سمجھا جانے لگا چنانچہ مسلمان فاتحین جن علاقوں کو فتح کرتے جاتے تھے وہاں مساجد و مدارس کی بنیاد ڈالتے جاتے تھے۔ ملا نظام الدین ہروی نے طبقات اکبری میں ملک بختیار الدین خلجی کے بارے میں لکھا ہے:-

"ملک بختیار الدین خلجی ...... شہر ندیا را خراب ساختند و عوض شہر آں دیگر موضعے کہ لکھنوتی بودہ است، بنا نہادہ دار الملک خود ساخت ...... چتر بر گرفت و خطبہ و سکہ بنام خود کرد و مساجد و خوانق و مدارس بجائے معابد احداث نمودہ" (طبقات اکبری ص ۲۳)

یہ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کا واقعہ ہے مگر مقدسی کی تصریح کے مطابق سندھ کے اندر مدارس کا وجود چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ملتا ہے بلکہ غالباً اس سے بہت پہلے سے ان کا رواج تھا۔

دیگر ممالک اسلامیہ کی طرح ان مدارس میں بھی وقت کے تمام علوم متداولہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ اس لئے یہاں کے مدارس میں بھی علم کلام کے ساتھ اعتنار فطری تھا۔ کم از کم ساتویں صدی ہجری کے بعد سے تو علمائے ہند دوسرے علوم عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ ساتھ علم کلام میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ سطور ذیل میں ہندوستانی علمار کی کلامی خدمات کا ایک مختصر جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

لیکن نفس مضمون کی توضیح و تبیین سے پیشتر علم کلام کے آغاز و ارتقا اور ہندوستان میں اسلامی ثقافت کی نشر و اشاعت کا ایک اجمالی خاکہ مستحسن ہوگا۔

(۱) علمِ کلام کا آغاز و ارتقا

علم کلام کی حقیقت | اسلامی فکر میں علمِ کلام کا آغاز ثقافتی ارتقار کے عام قوانین کا فطری تقاضا تھا۔ ہر

مذہب کو جلد یا بدیر دنیا کے سامنے اپنی تعلیمات عقل کی کسوٹی پر کس کر پیش کرنا ہوتا ہے۔ بالخصوص جب ملکی توسیع یا دینی تبلیغ کے سلسلے میں دوسری اقوام سے جن کے معتقدات اُس کی تعلیمات سے متصادم ہوتے ہیں سابقہ پڑتا ہے تو اُسے اپنی تعلیمات کی صحت و معقولیت عقلی دلائل کی مدد سے واضح کرنا پڑتی ہے، نیز مخالفین کے شکوک و شبہات اور اعتراضات کا جواب عقلی بنیادوں پر مہیا کرنا ہوتا ہے۔ اسلام کو بھی جب غیر قوموں سے سابقہ پڑا تو اپنی فکری مساعی کو اس جہت میں منعطف کرنا پڑا۔ یہی علم کلام تھا، چنانچہ المواقف میں علم کلام کی یہی حقیقت بتائی گئی ہے:۔

"الکلام علم یقتدر معه علی اثبات العقائد الدینیة بایراد الحجج ودفع الشبه

علم کلام وہ علم ہے جس کے ذریعہ عقائد دینیہ کے ثابت کرنے پر قدرت حاصل ہوتی ہے بایں طور کہ اُن کے ثبوت میں حجتیں لائی جائیں اور اُن پر جو شبہات وارد ہوتے ہیں اُنھیں دفع کیا جائے۔

(المواقف موقف اول مرصد اول مقصد اول)

علم کلام کا پہلا دور اس علم کلام کی بُنیاد کب اور کس طرح پڑی، یہ تاریخِ فکرِ اسلامی کا ایک دلچسپ مسئلہ ہے۔ اس کی تفصیلات میں گئے بغیر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کلامی تفکیر کے قدیم نمائندے معتزلہ تھے اور معتزلی مکتبِ فکر کا قدیم ترین نمائندہ [بلکہ اکثر مورخین کے نزدیک اُس کا بانی] واصل بن عطاء تھا جو اپنے عہد کا مشہور مناظر و خطیب اور [جو چیز اُس زمانہ کے عام علمی حالات کے بموجب غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی] کثیر التصانیف مصنف تھا۔ ابن الندیم نے کتاب الفہرست کے تکملہ میں اُس کی متعدد تصانیف کا ذکر کیا ہے جن میں سے مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:۔

کتاب اصناف المرجئة۔

کتاب المنزلة بین المنزلتین۔

کتاب الخطب فی التوحید والعدل۔

کتاب السبیل الی معرفة الحق۔

کتاب فی الدعوة۔

کتاب طبقات اہل العلم والجہل[1]

حسن بصریؒ کے ساتھ واصل کا واقعہ کہ موخر الذکر کے "المنزلۃ بین المنزلتین" کا نرالا قول احداث کرنے پر اول الذکر نے اُسے "قد اعتزل عنا" کہہ کر اپنے حلقہ سے نکال دیا تھا اور اسی بناء پر وہ اور اس کے متبعین "معتزلہ" کے نام سے موسوم ہوئے[2] مشکوک الصحۃ ہے کہ واصل بن عطاء سے بہت پہلے معتزلہ کی جماعت موجود تھی جو اصولی مسائل دینیہ پر غور و خوض کیا کرتی تھی[3]۔

بہر حال واصل بن عطاء نے ۱۳۱ھ میں وفات پائی اور اُس پر علم کلام کے پہلے دور کا خاتمہ ہو گیا جس کی خصوصیت علامہ تفتازانی کے لفظوں میں حسب ذیل تھی۔

ومعظم خلافیاتہ مع الفرق الاسلامیۃ[4]	اس طبقہ کے اکثر اختلافات اسلامی فرقوں کے ساتھ تھے۔

علم کلام کا دوسرا دور: واصل بن عطاء کی وفات کے اگلے سال عباسی حکومت کا آغاز ہوا اور اس کے ساتھ علم کلام کا بڑا دور بلکہ اصلی کارنامہ شروع ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے

عباسی حکومت کا آغاز محض حکمراں خاندانوں کی تبدیلی ہی نہ تھا بلکہ "عرب کے سوزِ دروں پر" "عجم کے حسنِ طبیعت" کے غلبہ کا آغاز تھا عباسی عجمیوں کی امداد سے برسرِ اقتدار آئے تھے لہٰذا دربارِ خلافت نے ان کے معاملے میں زیادہ نرم پالیسی اختیار کی۔ حریتِ فکر کے نام پر مخالفین و معاندین نے اسلام پر جا و بے جا اعتراضات کرنا شروع کئے اور الحاد و زندقہ کی تحریک کا آغاز ہوا۔ اسی زمانہ میں یونانی فلسفہ عربی زبان میں منتقل ہونا شروع ہوا جس سے اس تحریک کے شیوع میں بہت مدد ملی اور کچھ ہی دنوں میں اس نے خطرناک شکل اختیار کر لی یہاں تک کہ تیسرے عباسی خلیفہ المہدی (۱۵۸ - ۱۶۹) کو اس کے انسداد پر خاص طور سے توجہ دینا پڑی۔ اُس

---

[1] الفہرست لابن الندیم تکملہ ص۱ [2] شرح عقائد نسفی ص۵ [3] رد اہل الاہواء والبدع بحوالہ تبیین کذب المفتری ص۱ حاشیہ [4] شرح عقائد نسفی ص۱

نے ایک جانب زنادقہ کی امن سوز تخریبی کارروائیوں پر قابو پانے کے لیے ایک خصوصی پولس افسر "صاحب الزنادقہ" کا عہدہ قایم کیا اور دوسری جانب اُن کے اصولی نظریات کی تنقید و تردید کے لیے متکلمین واہلِ جدل کو بلاکر اُن کے خلاف کتابیں لکھوائیں چنانچہ مسعودی لکھتا ہے:۔

"وکان المهدی اول من امر الجدلیین من اهل البحث من المتکلمین بتصنیف الکتب فی الرد علی الملحدین ممن ذکرنا من الجاحدین وغیرهم واقاموا البراهین علی المعاندین وازالوا شبه الملحدین فاوضحوا الحق للشاکین"[1]

اور مہدی نے سب سے پہلے طبقہ متکلمین میں سے مناظروں کو بلاکر ملاحدہ اور دیگر مخالفین کے رد میں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے کتابیں تصنیف کرنے کا حکم دیا اور انھوں نے مخالفین کے مقابلے میں دلائل قائم کیے ملاحدہ کے شبہات کا ازالہ کیا اور متشککین کے واسطے حق کو واضح کیا۔

اس طرح علم کلام کے دوسرے دور کا آغاز ہوا۔ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد النسفی میں لکھا ہے

ثم لما نقلت الفلسفه عن الیونانیه الی العربیة وخاض فیها الاسلامیون وحاولوا الرد علی الفلاسفة فیما خالفوا فیه الشریعة فخلطوا بالکلام کثیراً من الفلسفة لیتحققوا مقاصدها فیتمکنوا من ابطالها ...... وهذا کلام المتاخرین[2]

پھر جب فلسفہ یونانی سے عربی میں ترجمہ ہوا اور مسلمانوں نے اُس میں غور و خوض کیا اور جن اُمور میں فلسفہ نے شریعت کی مخالفت کی تھی، اُس کی تردید کا ارادہ کیا تو کلام میں بہت سے فلسفے کے مسائل ملا دیے تاکہ اُن کے مقاصد کی تحقیق کرسکیں اور اس طرح اُن کے باطل کرنے پر قادر ہوسکیں ...... اور یہ متاخرین کا علم کلام ہے۔

اب متکلمین دربارِ خلافت پر چھا گئے اور درباری قدر دانی و ہمت افزائی کی بنا پر مشاہیر

[1] مروج الذہب للمسعودی جلد دوم ص۲۱۲ [2] شرح عقائد النسفی ص۵

معتزلہ مثلاً ابو الہذیل العلاف، ابراہیم بن سیار النظام، ہشام بن الحکم، بشر بن المعتمر ثمامہ بن اشرس، معمر بن عباد، فضل الحدثی، احمد بن حابط، وغیرہم کا ظہور و نبوغ ہوا۔ ان لوگوں نے مخالفین کی تنقید و تردید انھیں کے اُصولوں پر کرنے کے لئے اُن کے مذاہب بالخصوص یونانی فلسفہ کا بڑا عمیق مطالعہ کیا چنانچہ اُن کی علمی سرگرمیوں کے متعلق شہرستانی نے لکھا ہے۔

"ثم طالع بعد ذلك شيوخ المعتزلة كتب الفلاسفة حين فسرت ايام المأمون فخلطت مناهجها بمناهج الكلام ...... فكان ابو الهذيل العلاف شيخهم الاكبر وافق الفلاسفة ...... ثم ابراهيم بن سيار النظام في ايام المعتصم كان اعلى في تقرير مذاهب الفلاسفة ...... ومن اصحابه محمد بن شبيب وابو شمر و موسى بن عمران والفضل الحدثي واحمد بن حابط ووافقه الاسواري في جميع ما ذهب اليه من البدع وكذلك الاسكافية اصحاب ابي جعفر الاسكافي والجعفرية اصحاب الجعفر بن جعفر بن مبشر و جعفر

اس کے بعد جب فلسفہ کی کتابیں مامون الرشید کے زمانہ میں ترجمہ ہوئیں تو مشاہیر معتزلہ نے اُن کا مطالعہ کیا اور اس طرح فلسفہ کے مناہج کو علم کلام کے مناہج کے ساتھ خلط ملط کر دیا ...... چنانچہ ابو الہذیل العلاف جو اُن کا مشہور عالم تھا وہ فلاسفہ کا ہم زبان تھا ...... پھر ابراہیم بن سیار النظام، جو معتصم باللہ (۲۱۸-۲۲۷) کے زمانہ میں تھا وہ سب فلاسفہ کی تقریر میں دستگاہ کامل رکھتا تھا ...... اُس کے شاگردوں میں محمد بن شبیب، ابو شمر موسیٰ بن عمران، فضل حدثی اور احمد بن حابط تھے۔ نیز الاسواری نے اُس کی جملہ بدعات میں اُس کی موافقت کی تھی۔ اسی طرح فرقہ اسکافیہ نے جو ابو جعفر الاسکافی کے پیرو تھے اور جعفریہ فرقے نے جو جعفر بن مبشر اور جعفر بن حرب کے متبع تھے اُس کی موافقت کی) پھر بشر بن المعتمر کی بدعتوں کا زمانہ آیا جو تولد (علت ثانیہ) کا قائل تھا بلکہ اُس میں

بن حرب ثم ظهرت بدع بشر ابن المعتمر من القول بالتولد والافراط فیہ والمیل الی الطبیعیین من الفلاسفة[۱]"

مبالغہ کرتا تھا اس کے علاوہ فلاسفہ میں سے طبیعیین کی جانب اُس کا میلان تھا۔

مخالفینِ اسلام کے افکار وآرار کے مطالعہ پر زیادہ وقت صرف کرنے کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ ان لوگوں کو کتاب وسنت کے گہرے مطالعہ کا موقعہ نہیں مل سکا اور وہ عقلیت کی پرستاری میں اسلام کی روح سے بیگانہ تر ہوتے گئے یوں بھی اعتزال کی بُنیاد شروع ہی سے غیر اسلامی فکری رجحانات سے متاثر تھی:۔ جبر و اختیار کے مسئلے میں ان لوگوں پر یہودی [یا نصرانی] تعلیمات کا اور صفاتِ باری کے مسئلے میں یہودی اور نو فلاطونی تعلیمات کا اثر غالب تھا۔ لہٰذا اس عہد کے متکلمین نے جہاں ایک جانب زنادقہ و فلاسفہ اور دیگر مخالفین اسلام کے اعتراضات کا دنداں شکن جواب دیا۔ دوسری جانب اسلامی تعلیمات کی غلط ترجمانی پر بھی اصرار کیا۔ اس بے راہ روی کی اصلاح پر علمائے اسلام [محدثین وفقہائے کرام] نے شروع ہی سے توجہ کی۔ قدریت جس کی بدعت آخر عہد صحابہ ہی میں پیدا ہو چکی تھی[۲] متاخرین صحابہ نے اُس سے بے زاری کا اظہار کیا۔ اس کی تفصیل علم کلام کی تواریخ میں مذکور ہے اِس باب میں امام مالکؒ کا "رسالۃ فی القدر والرد علی القدریہ"[۳] خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ انکارِ صفات کی بدعت پہلی صدی کے اختتام پر نمودار ہوئی جس کے بانی جعد بن درہم اور اُس کا شاگرد جہم بن صفوان تھے۔ اس سے مشاہیر تابعین و تبع تابعین نے بے زاری کا اظہار کیا چنانچہ اثباتِ صفات کے موضوع پر قدیم زمانہ ہی سے اکثر محدثین کرام نے قلم فرسائی کی جن کے نام اور تصانیف حافظ ابن تیمیہ نے رسالہ حمویہ میں گنائے ہیں۔

---

[۱] الملل والنحل الشہرستانی جلد اول صـ۱۲ [۲] ایضاً صـ۱۲ [۳] الدیباج المذہب صـ۲۷ فمن اشہرھا فی ھذا الباب رسالتہ فی القدر والرد علی القدریۃ وھو من خیار الکتب الدالۃ علی سعۃ علمہ۔

لیکن ان کتابوں پر علم کلام سے زیادہ حدیث کی مصنفات ہونے کا زیادہ اطلاق ہو سکتا ہے۔ سنی نقطۂ نظر سے اس موضوع پر سب سے پہلی اور سب سے اہم کتاب "فقہ اکبر" ہے جسے امام ابو حنیفہؒ نے تصنیف فرمایا تھا۔ امام صاحب سرآمد فقہائے روزگار تو تھے ہی علم کلام میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے بلکہ علمائے متکلمین کے کل سرسبد تھے چنانچہ مشہور ہے

"الناس عیال علی ابی حنیفۃ فی الکلام"

بہر کیف اس دور میں (دوسری اور تیسری صدی میں) علم کلام کے دو مکاتب فکر تھے اہل السنت والجماعت کا علم کلام [جو اس دور میں فرق مبتدعہ بالخصوص فرق جہمیہ و معتزلہ کے علم کلام سے امتیاز کے لئے فقہ اکبر یا علم التوحید والصفات کہلاتا تھا] اور غیر اہل السنت والجماعت کا علم کلام جن میں معتزلہ کی کلامی سرگرمیاں زیادہ نمایاں تھیں۔ معتزلی علم کلام میں جہاں تک اسلامی تعلیمات کی توجیہہ کا تعلق ہے "تعطیل" اور "قدر" پر خصوصیت سے زور دیا جاتا تھا۔ ان میں سے اول الذکر یعنی " انکار صفات " کے مسئلے نے نصف صدی کے بعد "خلق قرآن" کے فتنہ کی شکل اختیار کر لی جس کے سلسلے میں مشاہیر علمائے وقت کو قید و بند کی مصیبتیں جھیلنا پڑیں اور جو مامون الرشید (۱۹۸-۲۱۸) کے تاباں و درخشاں عہد حکومت پر ایک بدنما دھبہ ہے مامون کے دو جانشینوں معتصم (۲۱۸-۲۲۷) اور واثق (۲۲۷-۲۳۲) نے بھی اس ایک گونہ احتساب مذہبی کی لعنت کو باقی رکھا مگر جب واثق کی وفات کے بعد متوکل باللہ (۲۳۲-۲۴۷) تخت نشین ہوا تو اس نے اس پالیسی کو موقوف کر دیا۔ احمد بن ابی داؤد جو اس فتنے میں مامون اور اس کے جانشینوں کا مشیر کار تھا کچھ عرصے بعد معتوب بارگاہ ہوا۔ معتزلہ کا اثر و رسوخ دربار خلافت سے زائل ہونے لگا اور متوکل نے [کسی وجہ سے بھی ہو] احیائے سنت کے باب میں کمربستگی کا اظہار کیا۔ اس طرح اہل السنت والجماعت کا مسلک یوماً فیوماً ترقی پذیر ہونے لگا۔

چنانچہ مشاہیر محدثین مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام ابو عیسیٰ ترمذی، امام ابوداؤد سجستانی

وغیرہم نے اسی زمانہ میں اپنی اپنی جامع اور سنن مدون فرمائیں۔ اسی طرح مشاہیر فقہاء اپنے اپنے مقام پر تفقہ فی الدین کے فرائض انجام دے رہے تھے مگر خالص کلامی خدمات کے لئے عبد اللہ بن محمد بن کلاب القطان، ابو العباس القلانسی، الحارث بن الاسد المحاسبی، عبد العزیز بن یحییٰ المکی وغیرہم مشہور تھے جو متکلمانہ انداز میں اعتزال کی بیخ کنی کر رہے تھے۔

لیکن معتزلہ نے بھی اس عرصے میں اپنے اثر و رسوخ کو بہت زیادہ بڑھا لیا تھا اور درباری سرپرستی سے محروم ہونے کے بعد بھی وہ علمی دنیا پر چھائے رہے۔ اس عہد (تیسری صدی ہجری کے) مشاہیر معتزلہ حسب ذیل تھے:۔

ابو جعفر الاسکافی، جعفر بن مبشر، جعفر بن حرب، ابو موسیٰ المردار، ابو عثمان الجاحظ، ابن الراوندی، ابو الحسین الخیاط، ابو القاسم الکعبی، ابو علی الجبائی، ابو ہاشم، ابو العباس الناشی ابو محمد عبد اللہ بن محمد الخالدی، ابو عیسیٰ الوراق وغیرہم۔

تیسری صدی کے سرے پر فرقہ معتزلہ کا سید الطائفہ ابو علی الجبائی تھا جس کے متعلق ابن خلکان نے ابن حوقل کے حوالے سے لکھا ہے

"ابو علی الجبائی الشیخ الجلیل امام المعتزلۃ ورئیس المتکلمین فی عصرہ۔"[1]

علم کلام کا تیسرا دور

اسی الجبائی کے شاگرد امام ابو الحسن الاشعری تھے۔ کم و بیش چالیس سال تک اعتزال کی آغوش میں پرورش پانے کے بعد جب کہ انھوں نے اپنی فطری صلاحیتوں اور ریاض و جگرکاوی سے یہ مرتبہ بہم پہنچایا تھا کہ اگر وہ معتزلی ہی رہتے تو ابو علی الجبائی سے بھی بڑھ کر ہوتے اور قوتِ کلام اور تشحیذِ ذہنی کی بنا پر ابو الہذیل العلاف کے درجے پر پہنچ جاتے، یکایک محض توفیقِ ایزدی و تائیدِ صمدی سے وہ اس اعتزال سے تائب ہو کر حلقۂ اہل السنت والجماعت میں داخل ہوئے۔ اُن کے توبہ کرنے اور گروہ اہل سنت میں داخل ہونے کی تفصیل ابن عساکر نے "تبیین کذب المفتری" میں دی ہے جس کا اعادہ موجب تطویل ہوگا۔

[1] وفیات الاعیان لابن خلکان جلد اول ص ۴۸۱

بہر کیف تیسری صدی کے سرے پر ۲۹۶ھ میں امام اشعری کی زندگی میں اور اُس کے ساتھ اسلامی سماج میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہوا۔ تیسری صدی میں خالص اسلامی فکر کو جس کے علم بردار محدثین تھے عموماً "حشویت" سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اس لئے اُس کے نام لیوا کم تھے لیکن جب امام ابو الحسن الاشعری کے مبارک ہاتھوں سے اُمت کی تجدید ہوئی تو فکرِ اسلامی کے دھارے کا رُخ ہی بدل گیا اور چوتھی صدی میں چہار جانب سنت ہی کا چرچا ہونے لگا چنانچہ اُن اکابر مفکرین (متکلمین اشاعرہ) کی تعداد جو اُن کے بعد پیدا ہوئے سینکڑوں ہزاروں تک پہنچتی ہے، ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی حافظ ابن عساکر نے "تبیین کذب المفتری" میں [از صفحہ ۱۷۷ تا صفحہ ۳۳۰] بیان کئے ہیں اور پھر بھی انھیں عدمِ استقصار کا شکوہ ہے:-

ولولا خوفي من الاملال للاسماع وايثاري الاقتصار لهذا الكتاب لتتبعت ذكر جميع الاصحاب ..... وكنت اكون بعد بذل المجهد مقصراً أو من تقصيري بالاخلال بذكر كثير منهم معتذراً فكما لا يمكنني احصاء نجوم السماء كذلك لا اتمكن من استقصاء ذكر جميع العلماء[1]

اگر مجھے خوف نہ ہوتا کہ زیادہ گوئی سے قارئین اکتا جائیں گے اور چوں کہ میں نے اس کتاب میں اختصار کو ملحوظ رکھا ہے، تو سب بزرگوں کا ذکر کرتا ...... اور پھر بھی باایں ہمہ سعی و کاوش قاصر رہتا بلکہ کوتاہی بیان کا معترف رہتا اور اکثر متکلمین کا ذکر نہ کر سکنے کے لئے معذرت خواہ ہوتا کیوں کہ جس طرح میرے لئے آسمان کے تاروں کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے اسی طرح میں تمام علماء کے ذکر کے استقصاء سے بھی قاصر ہوں۔

اس طرح علم کلام کا نیا اور حقیقی دور شروع ہوا۔ امام اشعری نے مذہب اہل السنت والجماعت کی تائید و نصرت میں کم و بیش دو تین سو کتابیں لکھیں جن میں سے تقریباً ایک سو پانچ کتابوں کے نام کی فہرست ابن عساکر نے "تبیین کذب المفتری" میں دی ہے

---

[1] تبیین کذب المفتری لابن عساکر صہ ۳۳۰

اہل السنت والجماعت میں امام اشعری کے دو معاصر تھے۔ مشرق میں امام ابو منصور الماتریدی (المتوفی ۳۳۳ھ) جو امام الہدیٰ کے نام سے مشہور ہیں وہ امام محمدؒ شاگرد امام ابی حنیفہؒ کے شاگرد امام ابی بکر الجوزجانیؒ کے تلمیذ رشید تھے۔ انھوں نے امام ابی حنیفہؒ کے "فقہ اکبر" کی شرح لکھی۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں۔

کتاب تاویلات القرآن

کتاب التوحید

کتاب المقالات

کتاب بیان اوہام المعتزلہ

کتاب رد الادلہ للکعبی

دوسرے معاصر مغرب میں امام ابو جعفر طحاوی (۲۲۹-۳۲۱) تھے جو پہلے شافعی المذہب تھے مگر حنفی مسلک کی معقولیت سے متاثر ہو کر حنفی ہو گئے تھے اور اس میں یہ رتبہ بہم پہنچایا کہ مصر میں رئیس الاحناف مشہور ہوئے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے:

"انتہت الیہ ریاسۃ اصحاب ابی حنیفۃ"[1]

اُن کا شمار مشاہیر محدثین میں ہوتا ہے اور حدیث و فقہ میں اُن کی تصانیف آج بھی مستند سمجھی جاتی ہیں۔ انھوں نے عقائد اسلام کو "بیان السنۃ" کے نام سے قلمبند کیا جو آگے چل کر "عقیدہ طحاوی" کے نام سے مشہور ہوا۔

ہندوستان میں ان دو بزرگوں کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ "عقیدہ طحاوی" درس میں شامل تھی اور علمائے ہند نے اس کی شرح بھی لکھی۔ لیکن اول الذکر یعنی امام ابو منصور الماتریدی کو تو وہ قبول عام نصیب ہوا کہ اُن کا مسلک ہی یہاں کا مسلک مختار قرار پایا۔

چوں کہ ہندوستان میں ابتداء ہی سے حنفی مذہب پر عمل رہا ہے اس لئے یہاں کے علماء خود کو

---

[1] وفیات الاعیان لابن خلکان جلد اول ص ۱۹

ماتریدی کہتے ہیں۔ بایں ہمہ اشاعرہ سے اُن کا استفادہ عملاً جاری رہا اور عموماً اشعری تعلیمات ہی یہاں مروج رہیں۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ میں معمولی اور جزئی اختلافات ہیں جو عموماً نظر انداز کردیئے جاتے ہیں۔

امام ابوالحسن الاشعری کے شاگردوں میں ابوالحسن الباہلی اور ابن مجاہد الطائی بہت زیادہ مشہور ہیں۔ ان دونوں کے شاگرد قاضی ابوبکر الباقلانی، ابواسحٰق الاسفرائنی اور اُستاذ ابن فورک تھے یہ تیسرے طبقے کے اساطین اشاعرہ ہیں ان میں قاضی ابوبکر الباقلانی زیادہ مشہور ہیں۔ ابن خلدون لکھتا ہے۔

وکثر اتباع الشیخ ابی الحسن الاشعری واقتفی طریقتہ من بعدہ تلمیذہ کابن مجاھد وغیرہ واخذ عنھم القاضی ابوبکر الباقلانی فتصدّر للامامۃ فی طریقتھم وھذّبھا ووضع المقدمات العقلیۃ التی تتوقف علیھا الادلۃ والانظار[1]	امام ابوالحسن الاشعری کے پیرو بہت زیادہ تھے اُن کے بعد ان کے شاگرد مثلاً ابن مجاہد وغیرہ اُن کے نقش قدم پر چلے۔ ان لوگوں سے قاضی ابوبکر الباقلانی نے علم حاصل کیا اور ان کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق قوم کی رہنمائی کی انھوں نے اس طریقہ کلامیہ کی تہذیب و اصلاح کی اور اُن مقدمات عقلیہ کو وضع کیا جس پر اصل دلائل و مباحث کا انحصار ہے۔

قاضی ابوبکر الباقلانی کا اشعری علم کلام کی ترقی میں بہت بڑا حصہ ہے وہ مالکی فقہ کے بہت بڑے عالم تھے اور اشعری علم کلام کی تائید میں متعدد کتابوں کے مصنف، امام باقلانی کے بعد ابوالمعالی امام الحرمین کا نام آتا ہے جو امام غزالی کے اُستاد تھے۔ امام الحرمین نے علم کلام میں "کتاب الشامل" لکھی پھر اُسے مختصر کرکے ملخص کا نام "کتاب الارشاد" رکھا جو عرصے تک

---

[1] تبیین کذب المفتری لابن عساکر ص۲۲

عقائد اہل السنت والجماعت کی درسی کتاب رہی۔

اسی زمانہ میں منطق اور فلسفہ کا رواج عام ہوگیا تھا اس لئے کلام اور فلسفہ میں خلط ملط ہوگیا۔ لہذا ضرورت سمجھی گئی کہ جہاں فلسفہ عقائد ایمانیہ کے خلاف ہے اُس کی تردید کی جائے۔ اس نئے اندازِ فکر کی ابتدا امام غزالی نے کی۔ ابن خلدون لکھتا ہے۔

واول من کتب فی طریقۃ الکلام	سب سے پہلے اس انداز پر علم کلام میں امام غزالی
علی ھذا المنحی الغزالی رحمہ اللہ	نے لکھا۔ امام رازی نے اور دوسرے لوگوں نے اُن
وتبعہ الامام ابن الخطیب وجماعۃ	کی پیروی کی، اُن کے نقشِ قدم پر چلے اور اُن کی تقلید
وقفوا اثرھم واعتمدوا تقلیدھم[1]	پر اعتماد کیا۔

طریقِ سنت کے احیار اور مذہب اہلِ حق کی تائید و نصرت کی بنا پر امام اشعری، قاضی ابو بکر الباقلانی، امام غزالی اور امام رازی تنیسری، چوتھی، پانچویں اور چھٹی صدی کے مجددین ملت کہلاتے ہیں۔ امام اشعری کی کلامی خدمات کا تذکرہ اوپر گذرا۔ قاضی ابو بکر الباقلانی کے انتقال پر منادی ان کے جنازے کے آگے کہتا جاتا تھا

"ھذا ناصر السنۃ والدین ھذا امام المسلمین، ھذا الذی کان یذب عن الشریعۃ السنۃ المخالفین ھذا الذی صنف سبعین الف ورقۃ رداً علی الملحدین"[2]

(یہ سنت اور دین کے مددگار ہیں، یہ مسلمانوں کے امام ہیں، یہ وہ ہیں جو شریعت کو مخالفین کی زبان درازی سے بچاتے تھے، یہ وہ ہیں جنہوں نے ملاحدہ کے رد میں ستر ہزار اوراق لکھے۔)

امام غزالی کی "تہافۃ الفلاسفہ" نے واقعی فلسفہ و الحاد کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں اور امام رازی کو تو بجا طور پر سرخیل متکلمین کہا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے مخالفین بھی اُن کی مخالفت میں اس سے زیادہ نہ کہہ سکے

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۶۹ [2] تبیین کذب المفتری لابن عساکر ص ۲۲۲

گر بعقل وسرائے کارِ دیں بدے
فخرِ رازی رازدارِ دیں بدے

امام رازی کے ایک شاگرد مولانا بدرالدین دمشقی دہلی آئے اور یہیں متوطن ہو گئے۔ وہ غیاث الدین بلبن کے عہد کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔

امام غزالی کے متاخر معاصرین میں سے امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد تھے جنہوں نے ۵۳۷ھ میں وفات پائی وہ ایک جلیل القدر حنفی فقیہ تھے انھوں نے اہل السنت والجماعت کے عقائد کو ایک متن متین کی شکل میں مدوّن کیا جو بعد میں "عقائد نسفی" کے نام سے مشہور ہوا، آٹھویں صدی میں علامہ تفتازانی نے اس کی شرح لکھی اور بے شمار علمائے روم نے اس شرح پر حواشی لکھے۔ "شرح عقائد نسفی" ہندوستان میں بھی بہت زیادہ مقبول ہوئی اور آج تک یہاں کے درس میں داخل ہے

ایک دوسرے حنفی امام علامۃ الکمال بن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ نے امام غزالی کی الاقتصاد اور قواعد العقائد کی مدد سے "کتاب المسایرہ" تصنیف کی جس پر ان کے ہم نام کمال الدین محمد بن ابی شریف المقدسی المتوفی ۹۰۵ھ نے "المسامرہ" کے نام سے شرح لکھی۔

علم کلام کا چوتھا دور امام رازی کی وفات کے بعد تاتاریوں کا سیلاب اُمنڈ پڑا جس نے ۶۵۶ھ میں آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر کے عباسی خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجادی فتنۂ تاتار نے اسلامی ثقافت کو بھی ناقابل تلافی صدمہ پہنچایا۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ فلسفہ کی تعلیم پر جو پابندیاں تھیں اُن کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ مدارس میں اہل علم نے فلسفہ اور کلام کو ساتھ ساتھ پڑھانا شروع کیا اور کچھ عرصے میں دونوں کا موضوع تقریباً ایک ہی ہو گیا۔ لہذا کچھ ہی دنوں میں علم کلام اور فلسفہ میں خلط ملط ہو گیا اور علم کلام کا ایک نیا طریقہ جاری ہوا۔ ابن خلدون لکھتا ہے:۔

"ثم توغل المتاخرون من بعدھم فی مخالطۃ کتب الفلسفۃ

پھر اس کے متاخرین نے کتب فلسفیہ کی مخالطت میں بہت زیادہ مبالغہ کیا اور دونوں فنوں کے

والتبس علیھم شأن الموضوع فی العلمین فحسبوہ فیھما واحدًا من اشتباہ المسائل فیھما ...... ولقد اختلطت الطریقتان عند ھؤلاء المتاخرین والتبست مسائل الکلام بمسائل الفلسفہ بحیث لا یتمیز احد الفنین من الاٰخر ولا یحصل علیہ طالبہ من کتبھم کما فعلہ البیضاوی فی الطوالع ومن جاء بعدہ من علماء العجم فی جمیع تالیفھم"[1]

موضوع کی حیثیت کے فرق کو فراموش کر دیا اور مسائل کی مشابہت کی وجہ سے دونوں کا موضوع ایک ہی سمجھا ...... اور متاخرین کے نزدیک دونوں طریقے خلط ملط ہو گئے اور مسائل کلامیہ مسائل فلسفیہ کے ساتھ مل گئے بدیں طور کہ ایک فن دوسرے سے ممتاز نہ رہا اور نہ طالب فن اُن کی کتابوں سے اسے حاصل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ امام ناصرالدین بیضاوی نے مطالع الانوار میں کیا ہے اور ان کے بعد دوسرے عجمی علماء نے اپنی تالیفات میں کیا ہے۔

اس نئے انداز فکر کی بنا ابن خلدون کی رائے میں قاضی ناصرالدین البیضاوی (المتوفی ۶۸۵ھ) نے "طوالع الانوار" میں ڈالی لیکن غالبًا اس کا بانی محقق طوسی (المتوفی ۶۷۲ھ) ہے جو مشہور شیعی متکلم اور فلسفہ کا عالم متبحر ہے۔ محقق طوسی کی "تجرید العقائد" نے چوتھے دور کے کلامی ادب کی پیداوار میں خصوصی حصہ لیا ہے۔ اس پر متعدد شروح و حواشی لکھے گئے لیکن تین شرحیں زیادہ مشہور ہیں۔

(۱) شرح تجرید للشیخ جمال الدین حسن بن مطہر الحلی (المتوفی ۷۲۶ھ) جو آج بھی ہمارے یہاں شیعی مدارس کے نصاب میں داخل ہے۔

(۲) شرح تجرید لشمس الدین محمود بن عبدالرحمٰن الاصفہانی (المتوفی ۷۴۶ھ) جو شرح قدیم کے نام سے مشہور ہے، اور

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۸۵

(۳) شرح تجرید لمولانا علاء الدین علی القوشجی (المتوفی ۸۷۵ھ) جو شرح جدید کے نام سے موسوم ہے۔

شرح قدیم پر میر سید شریف الجرجانی (المتوفی ۸۱۶ھ) نے حاشیہ لکھا جو حاشیہ تجرید کے نام سے مشہور ہوا۔ روم کے مدارس میں اُس کے درس کا عام رواج تھا اکثر علمائے روم نے اس پر حواشی لکھے۔ شرح جدید (للقوشجی) کے حاشیوں میں محقق دوانی (المتوفی ۹۰۸ھ) اور میر صدر الدین الشیرازی (المتوفی ۹۰۳ھ) کے حواشی خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور ان میں سے بھی محقق دوانی کے پہلے دو حاشیے یعنی حاشیہ قدیمہ اور حاشیہ جدیدہ ہندوستان میں زیادہ مشہور ہوئے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ آٹھویں صدی کے نصف اول میں قاضی عضد الدین الایجی نے جن کے متعلق خواجہ حافظ کہتے ہیں سہ

دگر شہنشہٗ دانش عضد کہ در تصنیف بنائے کار مواقف بنام شاہ نہاد

علم کلام میں دو کتابیں لکھیں جنہیں ہندوستان میں بھی قبولِ عام کا شرف حاصل ہوا۔

(۱) مواقف: جس پر میر سید شریف الجرجانی نے شرح لکھی۔ شرح مواقف پر متعدد علماءٔ نے جن میں ہندوستان کے مشاہیر فضلاء بھی شامل ہیں حواشی تحریر کیے۔

(۲) عقائد عضدی: اس پر بہت سے علماء نے شروح لکھیں مگر مقبولیت صرف محقق دوانی کی شرح کو حاصل ہوئی۔ یہ شرح ہندوستان کے عربی مدارس میں زیر درس رہی ہے اور اکثر علمائے ہند نے اس پر حواشی لکھے ہیں۔

آٹھویں صدی کے نصف دوم میں علامہ سعد الدین تفتازانی نے علم و ادب کی خدمت کی؛ علم کلام میں اُن کی دو کتابیں مشہور ہیں۔

(۱) مقاصد اور اُس کی شرح "شرح المقاصد" اور

(۲) شرح عقائد نسفی

سب سے زیادہ مقبولیت "شرح عقائد نسفی" کے حصے میں آئی۔ روم و ہندوستان کے اکثر علماء

نے اس پر حواشی تحریر کئے جن میں خیالی کا حاشیہ زیادہ مشہور ہے شرح عقائد نسفی آج بھی ہمارے یہاں مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے۔

نویں صدی نے عجم کے آخری محقق کو پیدا کیا۔ یہ محقق جلال الدین الدوانی ہیں۔ جس کلامی فلسفہ یا فلسفیانہ علم کلام کی بُنیاد محقق طوسی نے ڈالی تھی، محقق دوانی پر اُس کا خاتمہ ہوگیا محقق دوانی کی تصانیف مثلاً حواشی قدیمہ وجدیدہ اور شرح عقائد عضدی ہمارے یہاں عرصے تک داخل درس رہیں۔ اس سے قطع نظر ہندوستان کے اکثر مدارس محقق دوانی کے سلسلۂ تلمذ میں منسلک ہیں اور اکثر علمار نامدار کا سلسلۂ تلمذ محقق تک پہنچتا ہے اُس کی تفصیل آگے آئے گی۔

محقق دوانی پر یہ اجمالی خاکہ ختم ہوجاتا ہے۔ جس سال محقق نے وفات پائی (۹۰۸ھ) اُسی سال ایران میں صفوی سلطنت کی بُنیاد پڑی جو ایک نئے معاشرتی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ایران میں اس کے بعد بھی مفکرین و حکمار پیدا ہوتے رہے اور ہندوستان کے علما و فضلا اُن سے متاثر بھی ہوئے جیسے میر باقر داماد، صدر الدین شیرازی (شارح ہدایۃ الحکمت) ملا ہادی سبزواری وغیرہم۔ مگر یہ متکلم نہیں تھے، فلسفی تھے۔

ندوۃ المصنفین کی تازہ ترین عظیم الشان کتاب

ترجمان السنہ جلد سوم

یہ جلد پہلی دو جلدوں سے ضخامت میں بھی زیادہ ہے اور اس کے مباحث و مضامین بھی مختلف حیثیتوں سے نہایت اہم ہیں، اس میں مسئلہ تضار و قدر کے تمام بابوں کے علاوہ، پوری کتاب الانبیار بھی آگئی ہے جس میں وحی اور نبوت و رسالت کے ایک ایک گوشہ پر سیر حاصل کلام کیا گیا ہے اور تمام متعلقہ احادیث کو نئے نئے عنوانوں کے ساتھ سامنے لایا گیا ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام پیغمبروں کے حالات و واقعات صحیح اور مستند حدیثوں کی روشنی میں واضح کئے گئے ہیں، خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی خصوصیات سے متعلق تمام بحثوں کو عجیب و غریب انداز سے اُجاگر کیا گیا ہے۔

یہ عظیم الشان جلد کم وبیش پانچ سو حدیثوں کے ترجمے اور تشریح پر مشتمل ہے صفحات ۶۲۴ بڑی تقطیع قیمت دس روپے آٹھ آنے، مجلد بارہ روپے آٹھ آنے۔